قاضی ابوالولید الباجی المالکی

طفیل احمد قریشی۔ رُکن ادارۂ تحقیقات اسلامی

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے کتب خانے میں نادر اور غیر مطبوعہ مخطوطات کا بھی اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے جس کا بیشتر حصّہ مائیکروفلمز کی شکل میں محفوظ ہے۔ یہ ذخیرہ اسلامی علوم کی ان نادر کتب پر مشتمل ہے جو آج سے صدہا سال پیشتر لکھی گئیں اور اب دنیا کی مختلف لائبریریوں یا محکمہ آثار قدیمہ کے مراکز کی زینت ہیں۔ ان عکسیات میں ایک غیر مطبوعہ کتاب "الاشارہ فی اصول الفقہ" بھی ہے جس کے مصنف ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد بن وارث التجیبی ہیں جو قاضی ابوالولید الباجی کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ پانچویں صدی ہجری کے مالکی فقیہ ہیں اور اُندلس میں قاضی رہے۔ اس کتاب کا اصل نسخہ سکوریال لائبریری میڈریڈ (اسپین) میں موجود ہے ۱۹۶۴ء میں شعبۂ تحقیقات کے رکن اعلیٰ جناب پروفیسر ڈاکٹر صغیر حسن معصومی نے اس کا عکس (مائیکروفلم) جامعۃ الدول العربیہ کی وساطت سے ادارہ کے لئے حاصل کیا۔ اس غیر مطبوعہ اور نادر کتاب کو ادارہ کے رکن طفیل احمد قریشی پروفیسر موصوف کی زیر نگرانی اڈیٹ کر رہے ہیں۔ ذیل میں ہم مصنف اور کتاب کے تعارف کے لئے طفیل احمد صاحب کا مقالہ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں (مدیر)

یمن اور حجاز کی سرحد پر تجیب ام عدی کی اولاد آباد تھی۔ آفتابِ اسلام کی ضیا پاشیوں سے جب عرب کے قبائل منوّر ہونے لگے اور "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا وقت آیا تو یہ

لوگ بھی اسلامی پرچم تلے جمع ہوگئے۔ رمضان ۹۳ھ (نومبر ۷۱۲ء) میں جب موسیٰ بن نصیر نے اُندلس کی سرزمین پر قدم رکھا اور اشبیلیہ، ماردہ اور طلیطلہ کے علاقے فتح کئے تو یمن و حجاز کے سرحدی قبائل نے اُندلسی مفتوحات کا رخ کیا ان میں تجیبی اور قحطانی قبائل بھی تھے۔ جو اِن علاقوں میں مختلف مقامات پر آباد ہونا شروع ہوگئے[1] قاضی ابوالولید الباجی کے آباؤ اجداد کا تعلق انہی قبائل سے ہے جو دوسری صدی ہجری کے اوائل میں بطلیوس میں آباد ہوگئے۔ یہ مغربی اسپین کا صوبہ بھی ہے اور شہر بھی۔ اس کا موجودہ نام بیڈا جوز یا بڈا ہوس ہے[2] قاضی ابوالولید اسی شہر میں ۳۰ ذی القعدہ ۴۰۳ھ بروز دوشنبہ نصف شب کو ایک عالم خلف بن سعد کے گھر پیدا ہوئے۔ والدین نے سلیمان نام رکھا۔ ابوالولید آپ کی کنیت ہے چونکہ تجیب ام عدی کی اولاد ہیں اس لئے تجیبی کہلاتے ہیں۔ چنانچہ تذکرہ نویس آپ کا پورا نام قاضی ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب بن وارث التجیبی الباجی لکھتے ہیں۔[3]

آپ کی پیدائش کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ کے والدین باجہ میں آبسے اور یہیں آپ کی پرورش بھی ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو الباجی کہا جاتا ہے۔ آج کل یہ شہر پرتگال کے صوبہ" المتیجو" کا صدر مقام ہے اور پرتگال کے دارالحکومت لزبن (لشبونہ) کے جنوب مشرق میں ۹۵ میل کے فاصلے پر آباد ہے۔ یہ وہ دور ہے جب اشبیلیہ میں بنوعباد کی حکومت تھی اور باجہ کا علاقہ انہی کے زیر اثر تھا۔[4]

آپ کی ابتدائی تعلیم کن مراحل سے گزری؟ یا آپ نے ابتدا میں کن اساتذہ سے استفادہ کیا؟ اکثر تذکرہ نویس اسے نظر انداز کر جاتے ہیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ ۴۲۶ھ یعنی تئیس ۲۳ سال کی عمر میں آپ نے مشرق کے لئے رختِ سفر باندھا، اور مصر تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ مکّہ پہنچے اور اس دور کے مشہور مالکی عالم ابوذر بن احمد بن محمّد بن عبداللہ بن عفیر الانصاری (المتوفی ۴۳۴ھ) کے پاس رہنے لگے۔ یہ ابن سماک کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ عبدالغافر تاریخ نیشاپوری میں لکھتے ہیں:[5]

كان ابو ذر زاهدا ورعا، عالما سخيا لا يدخر شيأ وصار كبير مشيخة الحرم مشارا اليه فى التصوف خرج على الصحيح تخريجا حسنا وكان حافظا كثير الشيوخ .... الخ

باجی نے ان سے مختلف فنون میں استفادہ کیا، بالخصوص حدیث کی روایت بھی کی۔ ان کے ساتھ آپ نے مختلف مقامات کے سفر بھی کئے، جن میں "السراۃ" کے سفر کا ذکر مختلف کتب میں کیا گیا ہے۔ آپ مکہ میں تین سال رہے اور چار حج کئے۔ اس کے بغداد تشریف لے گئے۔ یہ ابو جعفر عبداللہ بن قادر قائم بامر اللہ (تخت نشین ۴۲۲ھ) کا دور تھا اور بغداد میں اب بھی علماء کبار کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ تقریباً ہر مکتب خیال اور ہر فقہی مسلک کے علماء تبلیغ و تدریس میں مصروف تھے۔ آپ نے بغداد کے قیام میں نہ صرف علمی مباحث و مجالس میں شرکت کی بلکہ چند جید علماء سے استفادہ بھی کیا۔ ابو الطیب الطبری شافعیؒ قاضی ابو عبداللہ الحسن بن علی الحمیری حنفی، ابن العروس المالکی اور شیخ ابو اسحاق الشیرازی انہی علماء میں سے ہیں۔ آپ نے بغداد میں درس و تدریس کو بھی جاری رکھا۔ بغداد میں آپ کی ملاقات حافظ ابوبکر الخطیب سے بھی ہوئی، اور بقول علامہ مقری مشرق و مغرب کے دو جید علماء اور حفاظ نے باجی سے روایت کی جو اتفاقاً عمر میں آپ سے بڑے تھے۔ اور باجی نے ان سے روایت کی۔ ان میں ایک تو اندلس کے حافظ ابو عمر بن عبداللہ اور دوسرے بغداد کے یہی عالم حافظ ابوبکر الخطیب ہیں[6]۔ خطیب بغدادی نے باجی کے دو اشعار بھی نقل کئے ہیں جن کو اپنے بارے میں پڑھا کرتے تھے۔

اذا كنت اعلم علما يقينا — بان جميع حياتي كساعة

فلِمَ لا أكون ضنينا بها — وأجعلها في صلاح وطاعة

یعنی جب میں یہ جانتا ہوں کہ میری پوری زندگی ایک لمحہ بھر ہے تو میں اسے کیوں نہ احتیاط سے گزاروں اور اسے نیکی و طاعت میں صرف کروں۔

بغداد میں تین سال قیام کے بعد باجی نے موصل کا رُخ کیا، اور وہاں ایک مشہور عالم جعفر السمنانی کے ساتھ رہے اور حدیث، رجال، فقہ اور کلام میں استفادہ کیا۔ موصل میں ایک سال رہنے کے بعد آپ نے پھر رختِ سفر باندھا۔ کہا جاتا ہے آپ دمشق گئے اور حلب کے قاضی بھی مقرر ہوئے[8]۔ مشرق میں قیام کے دوران جن علماء سے آپ نے استفادہ کیا ابن بشکوال ان میں حافظ ابو عبداللہ محمدؐ بن علی الصوری، ابو الحسن الفتیقی، حافظ ابو النجیب، ابو الفتح الطناجیری، ابو علی العطار وغیرہ کے ناموں کا اضافہ کرتے ہیں[9]۔ تیرہ سال مشرق میں رہنے کے بعد جب آپ اندلس

واپس لوٹے تو آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ آپ کے علم وفضل کی شہرت دور دور تک پہلے ہی پہنچ چکی تھی لیکن وطن واپس آکر جب آپ کو مختلف مناظروں میں شرکت کرنی پڑی اور امراء وسلاطین کی موجودگی میں آپ کی رائے قول فیصل بنی تو آپ کی عظمت اور بھی بڑھ گئی۔ بات یہ تھی کہ جن دنوں (تقریباً ۴۳۸ھ) آپ وطن واپس لوٹے سیاسی حالت بہتر نہ تھی، تاریخ اندلس میں اس دور کو طوائف الملوکی کا عہد لکھا جاتا ہے۔ بنو امیہ کی شمع اقتدار بجھنے والی تھی۔ کچھ تو بیرونی حملہ آوروں نے اموی سلطنت کو کمزور کر دیا تھا اور کچھ اندرونی طاقتیں مختلف علاقوں میں خود مختار ہوتی جارہی تھیں، امراء وسلاطین اپنی سیاسی جوڑ توڑ میں مصروف تھے ان کے آپس کے اختلافات اور سیاسی منافشت نے عجیب خلفشار پیدا کر دیا تھا۔ ابوالولید الباجی نے ان کے اختلافات کم کرانے اور باہمی صلح کی فضا ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا[۱۰] ادھر ابن حزم بڑے زور شور سے ظاہری مذہب کو فروغ دینے میں مصروف تھے۔ مناظروں اور مجادلوں کا بازار گرم تھا۔ سرکاری مذہب چونکہ مالکی تھا اور باجی خود بھی مالکی فقیہ تھے اور مذاہب اربعہ کے ساتھ ساتھ حدیث ورجال میں بھی کافی دسترس تھی اس لئے ابن حزم کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ مناظرے کے دوران ابن حزم اور باجی کی نوک جھونک کا اندازہ دونوں کے اس مکالمے سے لگایا جاسکتا ہے۔ جب باجی نے ابن حزم پر طنز کرتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجئے میں نے چوکیدار کے چراغ کی روشنی میں تعلیم پائی ہے۔" ابن حزم نے برجستہ جواب دیا۔

"مجھے بھی معذور فرمائیے میں نے سونے چاندی کے منبروں پر بیٹھ کر تعلیم پائی ہے۔"[۱۱]

بات دراصل یہ تھی کہ ابن حزم وزیر زادے تھے اور محلات میں تربیت پائی۔ آپ کی تعلیم کی ابتدا بھی وزیر زادوں کی طرح ہوئی جب کہ باجی نے شہر شہر پھر کر اور تکالیف ومصائب سہہ کر علم حاصل کیا۔ لیکن اس نوک جھونک اور اختلاف کے باوجود بھی ابن حزم جیسے عالم ابوالولید الباجی کی علمی عظمت کے معترف تھے۔ ابن بسام نے ایک مشہور روایت بیان کی ہے:

بلغني انه ابن حزم كان يقول لو لم يكن لاصحاب المذهب المالكي بعد عبد الوهاب الا مثل ابي الوليد الباجي لكفاهم[۱۱]

"مجھے یہ خبر پہنچی کہ ابن حزم فرماتے تھے، عبدالوہاب کے بعد مالکیوں میں باجی کے علاوہ اگر اور کوئی (جید عالم) نہ بھی ہوتا تو ان کے لئے کافی تھا۔"

ان مناظروں اور سیاسی خدمات کے ساتھ ساتھ اندلس میں آپ کی شہرت و مقبولیت کو آپ کے رشحات فکر سے چار چاند لگ گئے، ان افکار کا مجموعہ کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ مجلدات میں موجود ہیں۔ نفح الطیب میں ان کی چند مشہور تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی فہرست یہ ہے۔

۱۔ التسدید الی معرفۃ التوحید۔

۲۔ سنن المنہاج۔

۳۔ ترتیب الحجاج

۴۔ احکام الفصول فی احکام الاصول۔

۵۔ التعدیل والتجریح لمن خرج عنہ البخاری فی الصحیح۔

۶۔ شرح موطأ (جس کو "الاستیفاء" اور "المنتقی" میں بانٹ دیا گیا ہے، جو سات جلدوں پر مشتمل ہے اور مالکی فقہ کی نہایت اہم کتاب سمجھی جاتی ہے)

۷۔ المعانی فی شرح الموطا (جو بقول چند لوگوں کے بیس جلدوں پر مشتمل ہے)

۸۔ کتاب الایماء (پانچ جلدوں میں)

۹۔ مختصر المختصر فی مسائل المدونہ۔

۱۰۔ اختلاف الموطأت۔

۱۱۔ کتاب الحدود۔

۱۲۔ سنن الصالحین۔

۱۳۔ تفسیر قرآن الحکیم۔

۱۴۔ شرح المنہاج۔

۱۵۔ التبیین لمسائل المہتدین فی اختصار فرق الفقہاء۔

۱۶۔ السراج فی الخلاف۔

۱۷۔ الإشارہ فی أصول الفقہ۔

آپ کے اس تبحر علمی سے اندلس والوں نے آپ سے استفادہ کیا اور سماعت حدیث اور تدریس فقہ کے لئے تلامذہ کا جم غفیر آپ کے گرد جمع ہونے لگا۔ لوگ آپ کے درس میں بڑے اشتیاق سے شریک ہوتے

آپ سے روایت کرنے والوں میں ابو عبد اللہ الحمیدی، علی بن عبد اللہ الصقلی، احمد بن علی بن غزلون، ابوبکر الطرطوشی، ابو علی بن الحسین السبتی، ابو بحر سفیان بن العاصی اور آپ کے صاحبزادے ابو القاسم احمد کے نام سرفہرست لکھے جا سکتے ہیں۔

علامہ مقری نفح الطیب میں ابو علی بن سکرہ کا بیان ان الفاظ میں قلمبند فرماتے ہیں[13]۔

ما رائیت مثل ابی الولید الباجی وما رائیت احدا علی ھیئتہ وسمتہ وتوقیر مجلسہ۔

"یعنی میں نے ابو الولید الباجی جیسا کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی اس جیسی شخصیت، وضع اور مجلسی دبدبہ کا حامل کوئی نظر آیا۔"

اندلس میں "قضاء" کا اعزاز کسی عالم کے تبحر علمی کا گویا اعتراف سمجھا جاتا تھا، آپ کی ان علمی خدمات اور تفقہ علمی کے پیش نظر آپ کو سرقسطہ کا قاضی بنا دیا گیا۔ یہ شمالی اندلس کا صوبہ تھا جس کے مشہور شہر لاردہ، قلعہ ایوب، طرسونہ، وشقہ، تمریط اور مدینہ سالم وغیرہ تھے۔ آجکل اس شہر کو "سارا گوستا" یا "زارا گوزا" کہا جاتا ہے۔ جس دور میں آپ سرقسطہ کے قاضی بنائے گئے۔ یہاں ابو ایوب سلیمان (المتوفی سنہ ۴۳۸ھ) کے بیٹے ابو جعفر احمد المقتدر باللہ (المتوفی سنہ ۴۷۴ھ) کی حکومت تھی[14]۔

ابو الولید الباجی عالم اور قاضی ہونے کے ساتھ اچھے ادیب اور شاعر بھی تھے۔ ان کی نثر نگاری کا اندازہ تو ان کتب سے لگایا جا سکتا ہے جو مختلف کتب خانوں اور آثارِ قدیمہ کے مرکزوں میں موجود ہیں۔ لیکن ان کی نظم کے بیشتر مرقعے مختلف تصانیف میں چیدہ چیدہ ملتے ہیں۔ کہیں کہیں باجی خود بھی اشعار نقل کر جاتے ہیں لیکن مضمون چونکہ خالص علمی انداز کا ہوتا ہے اس لئے تحقیقی کتابوں میں وہ اشعار نقل کرنے سے اجتناب ہی کرتے ہیں۔ غرض ان کے اشعار منتشر ہیں۔ اور مختلف کتابوں میں صرف تذکرتاً مل جاتے ہیں۔ نفح الطیب میں ان کے کچھ اشعار منقول ہیں[15]۔ ایک نظم کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیے :-

ماطال عہدی بالدیار وانما = أنسی معاھدھا أسی وتبلد

لوکنت انبأت الدیار صبابتی = رق الصفا بفنائھا والجلمد

اپنے بیٹے محمدؔ کی وفات پر باجی نے ایک طویل مرثیہ لکھا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

أمحمد ان کنت بعدک صابرا = صبر السلیم لما بہ لا یسلم

ورزئت قبلك بالنبی محمد = ولرزؤه ادھی لدی واعظم

فلقد علمت بانی بك لاحق = من بعد ظنی انی متقدم

للّٰہ ذکر لایزال بخاطری = متصرفا فی صبرہ متحکم

فاذا نظرت فشخصه متخیل = واذ اصغت فصوته متوھم

وبکل ارض لی من اجلك لوعة = وبکل قبر وقفة وتلوم

ان کی نظم کے چند اور اشعار ملاحظہ ہوں :-

مضی زمن المکارم والکرام = سقاہ اللّٰہ من صوب الغمام

وکان البر فعلا دون قول = فصار البعد نطقاً بالکلام

وزال النطق حتی لست تلقی = فتی یسخو برد للسلام

وزاد الامر حتی لیس الا = سخی بالاذی او بالملام

ابو الولید الباجی کی اولاد کے بارے میں زیادہ معلومات مہیا نہ ہوسکیں۔ نفح الطیب نے باجی کا جو مرثیہ نقل کیا ہے وہ انھوں نے اپنے صاحبزادے محمدؒ کی وفات پر لکھا۔ جن کا انتقال غالباً سرقسطہ ہی میں ہوا۔ دوسرے صاحبزادے کا نام ابو القاسم ہے جن کے بارے میں کہا گیا ہے :

سکن سرقسطة وغیرھا وروی عن ابیه معظم علمه وخلفه بعد وفاته فی حلقته وغلب علیه علم الاصول.....الخ۔[۱۶]

"سرقسطہ وغیرہ میں رہے اور اپنے والد سے روایت کی۔ علم میں ان کا بلند مقام ہے اپنے والد کی وفات کے بعد ان کے حلقہ میں ان کے جانشین ہوئے۔ علم اصول فقہ میں انہیں کافی دسترس تھی"

قاضی ابو الولید کی وفات ۱۹ رجب ۴۷۴ھ جمعرات کی رات کو المریہ میں مغرب و عشاء کے درمیان ہوئی، جمعرات کے روز عصر سے پہلے رباط میں ضفتہ البحر دفن کئے گئے۔ نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے ابو القاسم نے پڑھائی۔[۱۷]

الاشارۃ فی اصول الفقه

ابو الولید الباجی نے یہ کتاب علم "اصول فقہ" (JURISPRUDENCE) پر لکھی ہے۔ اسکوریال لائبریری میڈریڈ (اسپین) سے اس کا جو نسخہ ملا ہے، اس پر صرف "الاشارۃ للباجی رحمة اللّٰہ" لکھا ہے۔ علامہ مقری نے

نفح الطیب میں باجی کی جن تصانیف کا ذکر کیا ہے ان میں اس کتاب کا پورا نام " الاشارہ فی اصول الفقہ" لکھا ہے۔ فواد نے فہرس المخطوطات المصورہ میں اصول فقہ کی جن کتب کا تعارف کرایا ہے ان میں چوتھے نمبر پر اس کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے [۱۸]

تالیف ابی الولید سلیمان بن خلف الباجی الاندلسی المتوفی سنہ ۴۷۴ھ نسخۃ کتبت فی سنہ ۷۹۲ھ وبہا خروم۔

ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی الاندلسی متوفی ۴۷۴ھ کی تالیف ہے۔ اس کا نسخہ ۷۹۲ھ میں لکھا گیا۔ جسے کیڑے نے (کچھ) کھا لیا ہے۔

ازہر کے کتب خانے کا حوالہ دیتے ہوئے " اصول" میں اس کا نمبر ۵۷۸۶ درج کیا گیا ہے، ورق کی تعداد ۴۷ لکھی گئی ہے اور اس کا سائز ۱۴ × ۱۸ سم بتایا گیا ہے۔

قاضی ابوالولید الباجی کا فقہی مسلک چونکہ مالکی ہے اس لئے یہ کتاب بھی مالکی اصول فقہ کی کتب میں شمار کی جاتی ہے۔ مالکی اصول فقہ پر یوں تو متقدمین کی اَن گنت کتب موجود ہیں، لیکن قاضی الباجی کی اس کتاب کو جامعیت کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ قاضی صاحب نے مطولات سے گریز کرتے ہوئے صرف نفس اصول پر اکتفا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اور کتب کی طرح نہ تو اس کتاب کی ابتدا کسی طویل خطبہ سے کی گئی ہے اور نہ ہی لاتعداد فقہی مثالوں سے کتاب کے حجم میں اضافہ کیا گیا ہے اور نہ ہی اصول فقہ کی اصطلاحات اور متعلقہ مسائل کے بیان میں منطقی بحثیں چھیڑی گئی ہیں۔ بلکہ مختصر اور جامع الفاظ میں اصول فقہ کی اصطلاحات اور ان سے متعلقہ مسائل پر جامع اشارات" سے کام لیا گیا ہے۔ ممکن ہے کتاب کی اسی خصوصیّت کی بناء پر اس کا نام " الاشارۃ" رکھا گیا ہو۔ تسمیہ و صلوٰۃ کے بعد مصنف نے کتاب کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے

ادلۃ الشرع ثلثۃ اضرب - اصل - ومعقول اصل واستصحاب الحال۔

شرعی (قانونی) دلائل کی تین قسمیں ہیں ۱۔ اصل ۲۔ معقول اصل ۳۔ اور استصحاب حال"

ادلۃ الشرع میں " اصل" کے بارہ میں فرماتے ہیں:

فاما اصل فھو الکتاب والسنۃ واجماع الامۃ [۱۹]

یعنی جہاں تک اصل کا تعلق ہے تو وہ کتاب، سنت اور اجماع امت پر مبنی ہے۔ کتاب اللہ

کی بحث میں وہ حقیقت اور مجاز، محتمل اور ظاہر، امر اور نہی، عموم وخصوص، استثناء، مطلق و مقید، مجمل ومفسر اور اسماء المعرفہ وغیرہ کو جامع الفاظ میں سمجھاتے ہیں۔ سنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے احکامات، احادیث اور اس سے متعلق ابحاث کا ذکر کرتے ہیں۔ اجماع پر بحث کرتے وقت اس کی اہمیت اور قسموں کو بیان کرتے ہوئے اس سے متعلق مختلف اصول بیان فرماتے ہیں:

معقول الاصل پر بحث کرتے ہوئے وہ اس کی چار قسمیں بیان کرتے ہیں ۱۔ لحن الخطاب ۲۔ فحوی الخطاب ۳۔ حصر ۴۔ اور معنی الخطاب۔

استصحاب الحال کو وہ دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ۱۔ استصحاب حال العقل ۲۔ اور استصحاب حال الاجماع۔

کتاب کے آخر میں احکام الترجیح پر بحث ہے جس کے ضمن میں ترجیحات المتون اور ترجیحات المعانی کو بیان کیا گیا ہے۔

ماخذات

(۱) حسین مونس، فجر الاندلس، ص ۳۷۱-۷۲، قاہرہ ۱۹۵۹ء۔

(۲) محمد عنایت اللہ، اندلس کا تاریخی جغرافیہ، ص ۱۵۸-۹، حیدرآباد ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء

(۳) i۔ ابن بشکوال، الصلہ، ص ۱۹۷، قاہرہ ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء

ii۔ علامہ المقری، نفح الطیب ج ۱ ص ۳۵۳، قاہرہ، ۱۳۰۲ھ

iii۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۴۲، قاہرہ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء

(۴) اندلس کا تاریخی جغرافیہ ص ۱۴۱۔

(۵) نفح الطیب ج ۱ ص ۳۵۴۔

(۶) ایضاً۔

(۷) ایضاً۔

(۸) ابن خلکان ج ۲ ص ۱۴۲۔

(۹) ابن بشکوال ج ۱ ص ۱۹۷
(۱۰) نفح الطیب ج ۱ ص ۳۵۸
(۱۱) ابوزہرہ، ابن حزم، قاہرہ ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء بحوالہ معجم الادباء ج ۱۲ ص ۲۴۳
(۱۲) نفح الطیب ج ۱ ص ۳۵۳
(۱۳) ایضاً۔
(۱۴) اندلس کا تاریخی جغرافیہ ص ۲۴۰
(۱۵) نفح الطیب ج ۱ ص ۳۵۷-۸
(۱۶) ایضاً ج ۲ ص ۲۵
(۱۷) i۔ النباھی، تاریخ قضاۃ الاندلس ص ۹۵، قاہرہ ۱۹۴۸ء
ii۔ الکتبی، فوات الوفیات، ج ۱ ص ۳۵۶، قاہرہ ۱۹۵۱ء۔
iii۔ ابن بشکوال ج ۱ ص ۱۹۹
iv۔ نفح الطیب ج ۱ ص ۳۵۳
v۔ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۴۲
(۱۸) i۔ فواد، فہرس المخطوطات المصورہ، ج ۱ ص ۲۴۰، قاہرہ ۱۹۵۴ء۔
ii۔ ابن العماد، شذرات الذہب، ج ۳ ص ۳۴۴، قاہرہ ۱۳۵۰ھ
(۱۹) الاشارہ، فولیو نمبر الف۔ ۱۱۹، عکسیات نمبر ۱۳۰ لائبریری ادارۂ تحقیقات اسلامی

☆